خط آتش

www.bookspk.net بکس پی۔کے ڈاٹ نیٹ
اردو کتابوں کی سب سے بڑی اور معیاری ویب سائیٹ

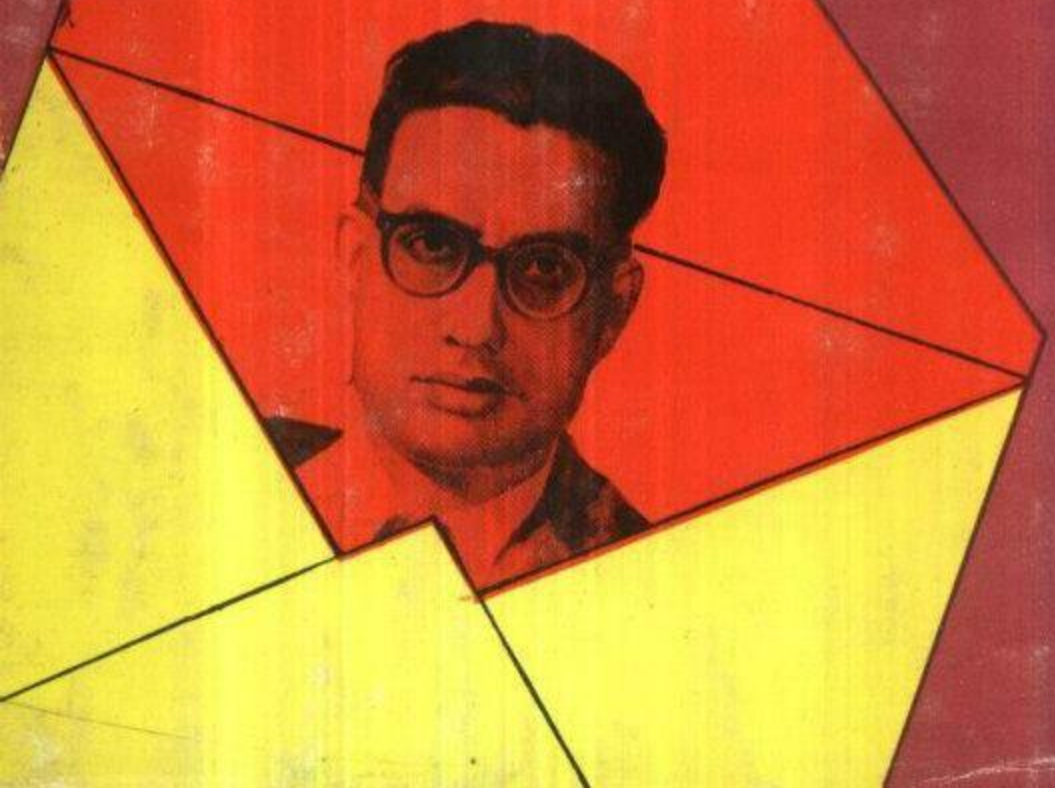

"—— ابنِ انشاء کے دونوں خطوط مل گئے ہیں، خیال تھا
ان کی فوٹو کاپیاں آپ کو بھیجوں گا لیکن وہ اس قدر مدھم نکلی
ہیں کہ پڑھی ہی نہیں جا سکتیں، لہٰذا اوریجنل خطوط بھیج رہا ہوں۔
ان خطوط میں میرے لئے مرحوم کی 'شاباش' کا عنصر غالب
ہے۔ اس پہلو سے شاید یہ آپ کی کتاب کے قابل نہ ہوں۔
بہرحال حکم کی تعمیل کر دی ہے ——!"

کرنل محمد خاں

"میں آپ کو خط لکھنے ہی والا تھا کہ آپ کا خط آگیا، مجھے اطمینان
ہوا کہ ابنِ انشاء کے خطوط کی عکسی نقول آپ کو مل گئیں، چار پانچ
خطوط اور میرے پاس ضرور تھے، مگر ایسا لگتا ہے کہ وہ کہیں کھو
گئے۔ اپنے کاغذات میں بہتیرا تلاش کیا، اُن کا سُراغ نہیں ملا۔
یقیناً وہ تلف ہو گئے جس کے لئے میں اپنے آپ کو کوستا ہوں۔
انشاء کے خطوط کا جو مجموعہ آپ اتنی محنت اور محبت سے مرتب
کر رہے ہیں ایک ادبی دستاویز ہو گا ——!"

محمد خالد اختر

—— مجھے افسوس ہے کہ انشاء کے سینکڑوں خطوط جو میرے پاس محفوظ
تھے، ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کی نذر ہو گئے۔ ہماری خط و کتابت تقریباً
ساری اُسی دَور میں رہی۔
دوسویں جماعت کے دنوں کے تین منظوم خطوط کی فوٹو سٹیٹ
کاپیاں کر رہا ہوں، یہ اُس زمانے کے ہیں جب انہوں نے اپنا ادبی
نام ابنِ انشاء رکھا ——"

حمید اختر

جملہ حقوق محفوظ

اشاعتِ اوّل ۔۔۔ ۱۹۸۵ء
" دوئم ۱۹۸۸ء

www.bookspk.net

قیمت ۔ ۶۰ روپے

لاہور اکیڈمی
۲۰۵ ۔ سرکلر روڈ لاہور

ترتیب

تقریب	۷
ابراہیم سعد	۲۹
احمد ندیم قاسمی	۳۳
انتظار حسین	۶۰
اے حمید	۹۰
بیگم سرفراز اقبال	۱۲۶
تاج سعید	۱۴۴
حزیں کاشمیری	۱۴۷
حمید اختر	۱۴۹
خلیل الرحمٰن اعظمی	۱۵۵
ذوالفقار تابش	۱۸۴
عبدالعزیز خالد	۱۸۷
عطاء الحق قاسمی	۱۸۹

www.bookspk.net
اردو کتابوں کی سب سے بڑی اور معیاری ویب سائٹ

قدرت اللہ شہاب	۱۹۱
قرۃ العین حیدر	۱۹۶
کرنل محمد خاں	۲۰۰
کشور ناہید	۲۰۴
محمد خالد اختر	۲۰۵
محمد طفیل	۲۰۷
ممتاز مفتی	۲۲۹
منیر احمد شیخ	۲۴۵
ناصر کاظمی	۲۴۸
ندیم اقبال	۲۴۹
نوید طاہر	۲۵۰
عکس تحریر	۲۵۳

www.bookspk.net

تقریب

خطوط نگاری اور اس کی اشاعت دنیا کی تمام زبانوں میں اب ایک وقیع صنفِ ادب شمار ہوتی ہے، یہ کتاب بھی ابنِ انشا کے خطوط کا مجموعہ ہے، ایسے خطوط جو انہوں نے مختلف اوقات میں اپنے بے تکلف دوستوں کو لکھے، لیکن اس طرح کے عام مجموعوں اور اس مجموعے میں ایک فرق ہے کہ یہاں کوئی خشک معلوماتی طومار یا اخلاقی پند و نصائح کی بھرمار نہیں جس میں آپ معلومات کے شوق میں سر کھپائیں یا عاقبت سنوارنے کے خیال سے اس کی ورق گردانی کریں یہ تو ابنِ انشا کی شوخیٔ قلم کا ایک گوشہ ہے، اُن کی مہکتی معطر تحریروں کی تمام تر رعنائیاں لئے ہوئے، مسرت و شادمانی سے بھرپور ـــــ ایک ایسا پہلو جس میں انشا جی کی پوری شخصیت جھلکتی نظر آتی ہے ـــــ لطفِ بیان کی خوشبو بکھیرتی بہت پیاری، بہت دلآویز شخصیت!

میرا خیال ان مکاتیب سے پہلے ایک گراں بہا مقدمہ لکھنے کا تھا لیکن ابھی پہلا فقرہ بھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ

"مکتوب نویسی تہذیبِ انسانی کے تشخیصی بطون کی بوقلمونی کیفیات اور اُس کی ماہیتِ نفسی کے انجمادات کی سب سے محیّر العقول اختراع ....."

لگا جیسے انشا جی کی رُوح نے قلم پکڑ لیا ہو کہ "اللہ کے بندے! میں نے تو زندگی بھر ایک ایسا مصرعہ، ایک سطر بلکہ ایک لفظ ایسا نہیں لکھا جو میرے دل سے نکل کر مخاطب کے دل میں نہ جا بیٹھے، تم مجھ پر یہ مقدمہ کس جرم میں دائر کر رہے ہو!؟" ـــــ چنانچہ فقرہ نامکمل رہ گیا، نتیجتہً آپ بھی ایک نہایت عالمانہ مقدمہ پڑھنے کی ذہنی کوفت سے بال بال بچ گئے ہیں۔

سردست مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ خطوط کی اشاعت اب کوئی شجرِ ممنوعہ نہیں رہا،

خاص طور پر مشاہیر کے خطوط کہ وہ اُن کے عزیزوں اور دوستوں کے علاوہ اُن سے شغف
نیازمندوں کی بھی امانت ہوتے ہیں جو اُن سے محبت کرتے ہیں جو اپنے محبوب ادیب
کی زندگی کے ان گوشوں تک بھی رسائی چاہتے ہیں جو عام تحریروں کے ذریعے ممکن
اور اس میں کیا شک ہے کہ کسی شخص کے انتہائی ذاتی افکار و خیالات کو جاننے کے
اس سے بہتر کوئی صنف نہیں، بالخصوص ایسے خطوط جن کے بارے میں لکھنے والوں کو
تک نہ ہو کہ کل کلاں یہ چھپ کر اُن کے چاہنے والوں تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔

چنانچہ انشاجی کے بہت سے مکاتیب میں سے ایک سو چھتیس آپ تک پہنچ
رہے ہیں، میں صدقِ دل سے یہ اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ ان کی فراہمی میں، میں نے
زیادہ تگ و دو نہیں کی، گھر گھر جا کر صدا دینا، میرے مزاج کے مطابق نہیں تھا۔ شہر شہر
گھوم کر خط اکٹھے کرنا بھی کچھ اپنے مسلک کاہلی کے برعکس نظر آیا، ہاں اتنی مستعدی میں
نے ضرور دکھائی کہ اس سال جب موسمِ گرما کی طویل تعطیلات کا آغاز وسط جون میں
ہوا تو پہلے ہی ہفتے انشاجی کے تمام احباب کی خدمت میں خطوط کے حصول کے لیے
عریضے ارسال کر دیئے۔ اکثر نے مجھے جواب سے نوازنا بھی ضروری نہ سمجھا، چند صاحبان نے
دوسطری معذرت کر دی ——— سوائے اُن محترم ہستیوں کے جن کے نام انشاجی کے
خطوط آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

دیگر احوال یہ ہے کہ ایک دو موقعوں پر اتفاقاً بعض بڑے لکھنے والوں سے ملاقات
ہو گئی جن کا اپنے دیارِ دل میں بھی بہت احترام ہے اور انہیں انشاجی کے احباب میں بھی
اولیت کا مقام حاصل تھا۔ لیکن جب میں عرضِ مدعا زبان پر لایا تو انہوں نے نہ صرف خطوط
مرحمت فرمانے سے معذرت کر دی بلکہ ستم ظریفی یہ فرمائی کہ بعض نہایت پیارے خط،
بلاشبہ ادبی فن پارے، مجھے صرف پڑھنے کو دیتے اور اُسی وقت واپس لے لئے، بعض کا
صرف دُور سے جلوہ دکھایا یعنی اُن کا جو انشاجی نے انہیں بلادِ غربیہ کی سیاحت کے دوران

بھیجے تھے، رنگین تصویروں اور بہت ہنسی اور کارٹونوں سے مزین ـــــ ساتھ چند چمکتے گنگناتے فقروں پر مشتمل انشاجی کی بے مثال ناقابلِ تقلید تحریریں ـــــ اُن کا استدلال یہ تھا کہ ایسے نجی اور شخصی مکتوب افشائے عام اور شرکتِ عوام کے لئے مناسب نہیں ـــــ ممکن ہے اُن کے اندیشہ ہائے دُور دراز بھی درست ہوں، کوئی اور موقع ہوتا تو، ہم غالبؔ کی ہمنوائی میں یہ کہہ کر ہی دل کو تسلی دے لیتے کہ:

غیر پھرتا ہے لئے یوں تیرے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

سو یہاں اطمینان کی یہ صورت بھی نہیں تھی۔

بہرکیف جب ہم نے دامن دراز کیا تو جناب احمد ندیم قاسمی، انتظار حسین، اے حمید اور محترم ممتاز مفتی نے بکمال محبت و مہربانی بہت سے خطوط جھولی میں ڈال دیئے اور بخشش کے انداز میں نہیں بلکہ یوں کہ جیسے انشاجی کی اس محفل میں شرکت اُن کی اپنی خوشی ہو۔ بیگم سرفراز اقبال نے بھی کئی دلچسپ خطوط کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں مہیا کر دیں اور ساتھ ہی انتخاب کی یہ گنجائش بھی کہ ہم اپنی مرضی سے ان میں سے جتنے مکاتیب چاہیں، اشاعت کے لئے منتخب کر لیں!

کئی خط ایسے ہیں جو بہت پہلے سے میرے پاس تھے لیکن ابنِ انشا مرحوم کی برسی اور بعض دوسرے موقعوں پر اُن میں سے کچھ اِدھر اُدھر چھپ بھی چکے ہیں، زیادہ تر روزانہ اخبارات کے ادبی ایڈیشنوں میں، چنانچہ اب ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ سب مکاتیب غیر مطبوعہ ہیں، البتہ یہ ہے کہ کتابی صورت میں پہلی بار پیش کئے جا رہے ہیں اور اگر آپ کوئی محقق وغیرہ نہیں ہیں تو آپ کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے!

مکتوبات کی ایک معقول تعداد ایسی بھی تھی، جو انشاجی کے بہت بے تکلف دوستوں سے فراہم ہوئی لیکن ان خطوں کے مندرجات میں کچھ نازک مسائل کا ذکر تھا اور چونکہ ہم خستہ تن

اُن سے بھی نازک مزاج تر ہیں اور بُزدلی کی حد تک محتاط ——— اس لئے ایسے مکاتیب کو شاملِ اشاعت نہیں کیا گیا، اگرچہ ان میں بھی انشاء جی کا وہی دلکش انداز موجود ہے کہ کوئی تکلف نہ بناوٹ، نہ خاص متانت یا سنجیدگی ——— تاہم آپ کو خوش کرتے کرتے اگر ہم خود ناخوش ہو جائیں تو فائدہ؟ ——— لہٰذا آپ بھی انتظار کریں اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

بعض نام ایسے سچے اور بڑے ہیں کہ اگر ہماری اور پڑھنے والوں کی خوش قسمتی سے اُن کے پاس انشاء جی کے خطوط محفوظ ہوتے تو وہ ضرور مرحمت فرماتے۔ مثلاً جناب احمد بشیر نے میری گزارش کے جواب میں نہایت دردِ دل سے ایک طویل مکتوب مجھے لکھا:

لاہور

۲۵ جون ۱۹۸۳ء اقتباس: "افسوس کہ میرے پاس انشا کا کوئی خط نہیں، ایک تو مجھے کبھی شک نہ ہوا کہ وہ اتنی جلدی مر جائے گا، دوسرے مجھے پتہ نہ لگا کہ وہ اتنا بڑا آدمی ہے، وہ بڑا آدمی تھا مگر اتنا قریب ہو تو بڑا آدمی محض پیارا آدمی رہ جاتا ہے اور پیاروں کی جدائی کے بارے میں کوئی سوچتا نہیں ——— میرے نام اس کے خط ذاتی نوعیت کے ہوتے تھے۔ زندگی کے مسائل جو اُسے درپیش آتے یا جن میں میں گرفتار رہا ——— اگر میرے ہاں سے مل سکتے تو بھی بہت کم اس قابل تھے کہ اُن کا شائع کرنا مناسب ہوتا۔"

"وہ اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں کسی سے کھلتا نہیں تھا اور اپنی ذرا ذرا سی کمزوریوں کو راز رکھنا چاہتا تھا..... مجھے بہت کچھ بتا دیا کرتا تھا مگر پردہ داری کی تاکید کے ساتھ۔ زندگی میں اُس نے کبھی مجھے اپنا کیرکٹر سکیچ لکھنے کی اجازت نہ دی بلکہ وعدہ لیا کہ میں کبھی لکھوں گا بھی نہیں..... وہ ایک من موہن آدمی تھا۔ مگر اُس نے دل کو اندر سے ایک رستا ہوا زخم ہی رکھا، وہ چاہتا تھا کہ کوئی اس زخم کو چھیڑتا رہے۔ وہ جن کے لئے اُس نے درد کی آہیں بھری تھیں۔ جب

ہوتے تو وفا اُس نے نہیں چھوڑی مگر اُن کے درد سے آزاد ہوگیا، اس کا یہ مطلب
ں کہ وہ ہر جائی تھا لیکن یہ ہے کہ نامرادی اُس کی اصل لذّت تھی، اب آپ ہی
ئی ایسی باتیں کہیں لکھنے کی ہیں؟ ــــ میں نے اُس کے خط سنبھال کر نہیں رکھے،
ہم کے خط تو فوراً ہی پھاڑ کر پھینک دیئے جاتے ہیں، اب ان کے پرزے
تلاش کروں؟ وہ خط بھی میں نے محفوظ نہیں رکھے جن میں وہ میرے روزگار
لئے پریشان رہا کرتا تھا، یاد رہے کہ میری آدھی زندگی اسی عالم میں گزری اور
ی آدھی میرا فکر کرنے میں"

"جب وہ لندن گیا تو مجھے ملنے کے لئے اسلام آباد آیا، اُس نے مجھ سے میرے
تے مانگے، کہا مجھے بہت سفر کرنا ہے، یہ بات اُس نے ہنسی میں کہی تھی مگر مجھے
عا کہ اب میں اُسے کبھی نہیں دیکھوں گا ــــ مگر وہ بے فکری سے گپ مارتا رہا، اُس
میرے بچوں کو سیر کرائی اور تحفے خرید کر دیئے ــــ میں اُس کے ساتھ نہ گیا، گویا
سے وداع کر رہا تھا ــــ یہ کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی، لفظ گونگے
ے ہیں"

"پھر ایک خط اُس نے مجھے لندن سے لکھا، میں نے اُسے تاکید کی کہ تم کینڈی
ال میں داخل ہو جاؤ جہاں تمہارا علاج ممکن ہے، ورنہ تم مر جاؤ گے اور
ے ساتھ ہم سب بھی آدھے مر جائیں گے ــــ یہ تلخ حقیقت اُسے
نہ لگی اور پھر اُس نے مجھے کوئی خط نہ لکھا ــــ مگر لندن میں وہ مجھے یاد کرتا
اس کا آخری خط بہت رنگیلا اور آزادوں کا سا تھا، شاید میری بیوی نے
ں رکھا ہو، آج کل وہ ملک میں نہیں، اگر کبھی مل گیا تو آپ کو بھیج دوں گا ــــ"

جناب احمد بشیر کے اس مکتوب کے ساتھ ہی محترمی قدرت اللہ شہاب کا اسی تاریخ
ا ہوا عنایت نامہ ملا انہوں نے فرمایا ــــ

اسلام آباد

۲۵ جون ۱۹۸۴ء اقتباس: "یہ آپ کا کمال ہے کہ آپ نے ابنِ انشا کے ایک سو کے قریب خطوط جمع کر لئے، اگر یہ قیمتی ذخیرہ میرے پاس بھی محفوظ ہوتا تو غالباً اتنے ہی خط میں بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا، لیکن مرحوم کی خواہش اور وصیت کے مطابق میں نے اُن کا کوئی خط اپنے پاس محفوظ نہیں رکھا، اس لئے میں آپ کی اس محفل میں شریک ہونے سے سراسر معذور رہوں۔" میں نے اُن کے اس نوازش نامے کا جواب دیا تو انہوں نے اپنی معذرت کی توثیق کر دی "انشا جی کے ساتھ میری خط و کتابت بیس بائیس برس کے قریب رہی ہے وفات سے چند ہفتے پیشتر انہوں نے میرے پاس موجود اپنے تمام خطوط پر از سرِ نو نظر ڈالی اور فیصلہ کیا کہ انہیں محفوظ نہ رکھا جائے چنانچہ میں نے اُن کی وصیت پر پوری ایمانداری سے عمل کیا اور اب میرے پاس اُن کے کسی خط کی نقل تک موجود نہیں ہے۔"

لیکن ہوا یہ کہ شہاب صاحب کے نام دو بے حد دلچسپ خط ہمیں ایک اور محترم ہاں سے مل گئے، جنہوں نے ان کو اس مجموعے میں شامل کرنے کی اجازت بھی دے دی ملاقات میں جب شہاب صاحب سے اپنی اس دریافت کا ذکر کیا تو وہ محض مسکرا دے چنانچہ یہ خط آپ کی نذر ہیں۔ یہ خط پڑھ کر اگر آپ کو افسوس ہو کہ کاش! باقی بھی بچائے جا سکتے، کاش ابنِ انشا انہیں ضائع کرنے کا نہ سوچتے، کاش! لیکن کاش، سے کیا ہوتا ہے۔ ادبی دنیا میں ایسے نقصانات کی اور بہت سی مثالیں ہیں جہاں یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے! لہٰذا اس تھوڑے کو جانئے، کیا اپنے طور پر یہ مسرت نہیں کہ قدرت اللہ شہاب انشا جی کی اس محفل میں شریک ان کے علاوہ بھی بہت سے جواب، ملے۔ چند اسمائے گرامی ملاحظہ ہوں۔

لاہور

۳-جون ۱۹۸۳ء

اقتباس: "مجھے افسوس ہے کہ انشاؔ جی کے سینکڑوں خطوط جو میرے پاس محفوظ تھے، ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کی نذر ہو گئے، ہماری خط و کتابت قریباً ساری اسی زمانے میں رہی، تقسیم کے بعد کچھ برس ہم لاہور اکٹھے رہے، اس کے بعد جب انشاؔ جی کراچی چلے گئے تو خط لکھنے کی نوبت کم ہی آئی، دو چار خطوط میرے پاس تھے ضرور مگر وہ معلوم نہیں کہاں گم ہو گئے۔"

"سویں جماعت کے زمانے کے دو تین منظوم خطوط کی فوٹو سٹیٹ ارسال کر رہا ہوں، یہ اُس زمانے کی ہیں جب انشاؔ نے اپنا قلمی نام ابنِ انشا رکھا۔"

حمید اختر

راولپنڈی

جولائی ۱۹۸۳ء

اقتباس: "میں نے ساری کتابیں، فائلیں اور صندوق — سب کو دو مرتبہ دیکھا لیکن ابنِ انشا کے خطوط نہیں ملے، پتہ نہیں کہاں اور کیسے MISPLACE ہو گئے۔ میرا تبادلہ فوج سے نیوی میں ہوا تھا، ممکن ہے تب کہیں کھو گئے ہوں، بہرحال خواہ مخواہ ہوں۔"

HODGKINS DISEASE کی تشخیص پہ جاپان کے دورے میں وہاں کے ڈاکٹروں کی تصدیق اور یہ رائے کہ بیماری کا شروع ہی میں پتہ چل گیا ہے، پھر کراچی RADIATION سے علاج، بعد میں لندن پہنچنے پر علاج — اِن دنوں اُن کے خطوط آتے رہے، جن کا میں باقاعدگی سے

جواب دیتا رہا، وہ سب خطوط اکٹھے رکھے ہوں گے، ورنہ ان میں سے ایک دو
ضرور مل جاتے"

شفیق الرحمٰن

کراچی

۹/ جولائی ۱۹۸۳ء

اقتباس: "آپ کی فرمائش سر آنکھوں پر، لیکن مجھے ابنِ انشا سے خط و کتابت
کا موقع کم ہی ملا، شاید ایک دو خط انہوں نے لکھے ہوں گے، تلاش کرتا ہوں،
اگر مل گئے تو ارسال خدمت کر دوں گا۔۔۔"

مشفق خواجہ

لیکن سب سے قابلِ قدر اور دلآویز انداز خلیل الرحمٰن اعظمی نے اختیار کیا:

دو ماہی "الفاظ"، علی گڑھ

شمارہ مئی - جون ۱۹۷۸ء

اقتباس: "ابنِ انشا پر لکھوں تو کیا لکھوں؟ شیر محمد خان نام کا ایک شخص جو جالندھر
کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا اور آزادی کے بعد پاکستان ہجرت کر گیا جس نے
اردو کالج کراچی سے ایم اے اور پی - ایچ - ڈی میں داخلہ لینے کے بعد اس لئے اس
سے دست بردار ہو گیا کہ محقق اور سکالر وغیرہ بننا اُس کے مزاج کے منافی
تھا، جس نے ایک خط میں مجھے لکھا تھا کہ:

"میں برنارڈ شا کا مرید ہوں جس نے کہا تھا کہ میں ساری انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا
لکھنے کی نسبت، ایس ان ونڈر لینڈ کا مصنف ہونا زیادہ پسند کروں گا"۔۔۔

یہ ابنِ انشا میرا جگری دوست تھا، میرا پیارا بھائی اور مجھ پر جان چھڑکنے والا،
اُس نے مجھے بڑی اپنائیت کے ساتھ خطوط لکھے اور ان خطوں میں اپنی شخصیت

کو بارہا بے نقاب کیا، اپنی آرزوں اور تمناؤں کو عجیب عجیب پیرائے میں بیان کیا۔ ان خطوں کو پڑھتا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ وہ کوئی صوفی تھا جسے اپنے بارے میں کشف ہوتا تھا اور اُس کے بیشتر قیاسات صحیح ثابت ہوتے، ایک خط میں لکھتا ہے کہ اپنا شعار تو کسی کا یہ قول ہے:

"Live fast, die young, and leave a good looking corpse behind"

ابنِ انشاء کے جتنے بھی خطوط مجھے اپنے کاغذات کے انبار سے دستیاب ہو سکے ہیں، انہیں اشاعت کے لئے دے رہا ہوں، یہ انتہائی نجی خطوط ہیں بڑی بے تکلفی سے لکھے گئے ہیں ـــــ مگر آج ان خطوط کی اہمیت یہ نہیں ہے کہ یہ خلیل الرحمٰن اعظمی کے نام ہیں، دراصل یہ ابنِ انشاء کا سیلف پورٹریٹ ہیں، اس لئے آپ سب کی امانت ہیں، انہیں آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے اس کے سوا اور کیا کہوں کہ ع

پھر باتیں ایسی نہ سنیئے گا!"

میں سمجھتا ہوں، مجھے اس داستان کو اتنا دراز بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ ایک خیال ضرور ذہن میں آتا ہے کہ ممکن ہے اس مجموعے کی اشاعت ابنِ انشاء مرحوم کے کچھ اور مکاتیب بھی سامنے لانے کا باعث بنے۔ جو اکثر اوقات اُن کے سدا بہار کالموں سے کم دلچسپ نہیں، بلکہ محمد طفیل مدیرِ نقوش کے نام ایک خط میں وہ اپنے خطوط ہی کو اپنی بہترین تحریریں قرار دیتے ہیں:

"اے کاش! آپ جنگ پڑھتے ہوتے اس میں میری آوارہ گرد کی ڈائری، برابر چھپتی رہی ہے، آپ اسے معلومات سے خالی لیکن لطف سے بھرپور پاتے۔ اب اسے کتابی صورت میں مرتب کر رہا ہوں، کسی پبلشر کو ضرورت

ہو تو ہاتھ کھڑا کرے۔"

"نقوش کا تازہ شمارہ بھی دیکھا، اس میں بھی میری کوئی تحریر نہ تھی، حیف ہے محمد طفیل پر کہ مجھ سے کچھ حاصل نہ کر سکے اور میرے وعدوں پر اعتبار کرتے رہے، اگلے شمارے کے لئے پھر صمیم قلب سے وعدہ کر رہا ہوں لیکن اس کی پابندی کرانا آپ کا کام ہے ـــــ لیکن اگلا شمارہ تو آپ کا شاید خطوط نمبر ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ ناموروں کی ذیل میں آپ نے اس بے نام کو بھی رکھ لیا ہے، آخر وہ کون سے خط ہیں جو آپ کے قبضے میں آ گئے ہیں۔ اسے فارسی میں در بیابانِ جنوں بردن و رسوا ساختن کہا جاتا ہے اور پنجابی میں بھراواں دیاں بھاجیاں ـــــ کسی کے نام کوئی فاضل خط ہے تو اس کے چھپنے کا کچھ فائدہ نہیں اور اگر انفاضل ہے تو ناگفتنی باتوں سے بھرا ہوگا ـــــ میں نے کھلے کھلے خط نقط چند دوستوں کو لکھے ہیں ـــــ طویل اور بے تکلفانہ، شاید میری بہترین تحریریں بھی وہی ہیں لیکن ان کے چھپنے میں خوفِ فسادِ خلق ہے یا دل چسپی اور مسرت ـــــ یہی ابنِ انشا کے خطوط کی نمایاں خصوصیت ہے، وہ جس کو بھی خط لکھتے ہیں، اُن کا مقصد اُسے خوش کرنا ہوتا ہے۔ اُن کے مکتوب کا مضمون کچھ بھی ہو۔ غم، خوشی، تلخی، شکوہ یا روزمرہ زندگی کا کوئی اور پہلو ـــــ سب کا ذکر ایسے لطیف انداز میں کرتے ہیں کہ اسی لطافت کو ہم اُن کے خطوط کا بنیادی وصف کہہ سکتے ہیں۔ مکتوب نویسی کے سلسلے میں ایک بات جو کہی جاتی ہے کہ ہر اچھے خط کو وہ مقصد ضرور پورا کرنا چاہیئے جو اُس کے لکھنے کا محرک ہوا ہے۔ یعنی پیغام کا ابلاغ ـــــ یہ بات انشا جی کے معاملے میں بہت مختلف ہے۔ یہاں اکثر اوقات خط لکھنا بذاتِ خود مقصد ہوتا ہے گویا

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے۔

اور انشاؔ جی عاشق ہیں مسرت و شادمانی اور لطفِ بیان کے ـــــ یعنی مطلب کی بات بھی رعنائی تحریر کی اس کیفیت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ قاری کا دل ہلکی ہلکی بے نام سرخوشی سے معمور ہو جاتا ہے اور اس کے باطن کی یہ سرشاری ہونٹوں کو متبسم کئے بغیر نہیں رہتی۔ پھر مخاطب چاہے ہاجرہ مسرور[1] کی نوید بیٹی جیسی دو اڑھائی سالہ بچی ہو یا ممتاز مفتی جیسے جہاں دیدہ بزرگ، ابنِ انشاء کی حسِ مزاح کے سامنے سب برابر ہیں اور اس میں زمان و مکان کی بھی کوئی پابندی نہیں۔ تیس پینتیس سال پیشتر لکھے ہوئے خطوط ہوں یا آخری عمر کے ـــــ بلکہ بسترِ علالت پر سے بھی، سب میں شگفتگی بیان کی ایک ہی لہر جاری و ساری ہے! چند اقتباس ملاحظہ ہوں:

۱۱۔ جون ۱۹۵۳ء

"نوید بیٹا ـــ دیکھو تمہاری امی نے ابھی تک کہانی نہیں بھیجی اور اب تم سے کیا پردہ، الزام تم پر ڈال دیا ہے۔ میں نے مان لیا کہ تم ان کی چوٹی کھینچتی ہو گی اور خاک بھی چاٹ لیتی ہو گی، لیکن اُن سے پوچھو، وہ تمہاری عمر کی تھیں تو کون سے سگھڑاپے کا مظاہرہ کرتی ہوں گی، مجھے تو یقین ہے کہ مٹی کے ڈھیلے کھودتی ہوں گی ـــ"

"اور دیکھنا لپک کے پوچھنا، تمہارے پرویز بھیا نے دانت نکال لئے یا بھجوں یہاں سے کسی دندان ساز کو، یہاں بڑے بڑے باکمال اور کریہہ المنظر دندان ساز ہیں، پرویز صاحب انہیں دیکھتے ہی ایک دو دانت کیا۔ پوری بتیسی نکال دیں گے۔"

"ویسے سچ پوچھو تو جیسے افسانے تمہاری امی[2]، خالہ[3]، ماموں[4] اور خالو وغیرہ

---

[1] ہاجرہ مسرور [2] خدیجہ مستور [3] احمد ندیم قاسمی [4] ظہیر بابر

لکھتے ہیں، ویسے تو ہم بھی لکھ لیں ـــــ آپ نے پھر جرح شروع کر دی ـــــ نہیں، ہمیں منع تو کوئی نہیں کرتا لیکن ـــــ لیکن بس یہی ذرا عدیم الفرصتی ـــــ انشاءاللہ لکھنا شروع کریں گے، نظم لکھی، غزل لکھی، تنقید لکھی ـــــ اب یہی تو ایک میدان رہ گیا ہے ـــــ زیادہ اچھا نہ لکھ سکے تو کرشن چندر جیسا تو لکھ ہی لیں گے ـــــ"

اور اس سے کوئی بیس برس بعد ممتاز مفتی کی خدمت میں یوں رقمطراز ہیں:

"میں آپ کی تحریروں کا دیرینہ مداح ہوں، نفسِ مضمون میں خواہ کتنی ہی خرافات کیوں نہ بھری ہو، آپ کے لکھنے کا انداز بہت دلنشیں ہوتا ہے اور پھر ہیومر جیسے تازہ سوندھی خوشبو دیتے ہوئے سیخ کبابوں پر ادرک کے لچھے، خواہ کباب بھینس کے گوشت ہی کے کیوں نہ ہوں۔"

"ماننا پڑتا ہے کہ ہیومر میں اس وقت پاکستان میں اس خاکسار کے بعد کوئی ہے تو آپ ہیں، مجھے آپ ایک ہونہار ادیب نظر آتے ہیں، اگر مشقِ تحریر جاری رکھی تو آگے چل کر یقیناً اچھا لکھنے لگیں گے ـــــ"

"میں ایک دو روز میں اسلام آباد آ رہا ہوں، چونکہ میری ذات محتاجِ تعارف نہیں، آپ یہ معلوم کر کے کہ میں کہاں ٹھہرا ہوا ہوں مجھ سے ملیے تاکہ میں آپ کو اچھا لکھنے کے بارے میں مزید نصیحتیں کروں، تاکہ آپ مشہور ہوں، آپ کا ٹیلنٹ ضائع نہ ہو اور آپ کو لوگ پسند کرنے لگیں ـــــ"

اس میں مزاح کی چاشنی اپنی جگہ کہ وہ انشاؔ جی کی فطرتِ ثانیہ ہے، اس سے بھی زیادہ جو چیز بین السطور قابلِ توجہ ہے وہ انشاؔ کی بے تکلفی اور یگانگت ہے جو ہمارے مکتوب نگاروں میں عام نہیں، اس کے لئے ایک خاص طرح کے باہمی خلوص اور تعلقات میں صداقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً اسے آپ انتہائے معصومیت کہیں گے یا تجاہلِ عارفانہ کہ اے حمید

سے ایک خط میں استفسار کیا جا رہا ہے:

"حمید اختر جیل سے رہا ہو گیا، آخر اُسے جیل میں کیا تکلیف تھی؟"

اسی طرح عبدالعزیز خالد کو:

"کامل القادری کے ایک مضمون سے کئی باتوں کا پتہ چلا ہے، افسوس ہوا کہ تم نے اچھا خاصا عام فہم نام 'لوگڑ' چھوڑ کر خالد تخلص کیا، خود منصفی کرو جو بات 'لوگڑ' میں ہے وہ خالد یا صہبائی یا یزید وغیرہ میں کہاں؟ — کتاب میں کتابت کی غلطیاں بہت ہیں، اب اس لفظ کو دیکھو کاتب نے بایزید لکھ دیا ہے، تمہیں پروف پڑھنے چاہئیں تھے۔"

انتظار حسین کو اُن کے ایک افسانے پر داد دے رہے ہیں اور خود انہی کے اسلوبِ تحریر کی ایک لحاظ سے پیروڈی کرتے ہوئے:

"میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ نئی پود کا ایک آدھ ہی افسانہ نگار تمہارے معیار کا ہوگا — کیوں نہ ہو، سر پر تولیا باندھ کر افسانہ لکھتے ہو، وہ بھی ٹیکا ٹیک دوپہری میں، باقی لوگ تو تمہارے سامنے املی کے پتے پر ڈنٹر پیلتے ہیں۔"

اکثر اوقات ابنِ انشا باتیں کرتے کرتے صرف ایک فقرے کا اضافہ بطور Moreov کر کے صورتِ حال کو اپنے مکتوب الیہ کے لئے قابلِ رحم حد تک مضحکہ خیز بنا دیتے ہیں، لیکن وہ فقرہ ایسی بے ساختگی سے آتا ہے کہ وہ اپنے مجروح کو مغموم نہیں کرتے بلکہ اُسے بھی مسکرانے پر مجبور کر دیتے ہیں، انشا کی اسی بے پناہ آمد، سادگی اور بے ساختگی کو مشتاق احمد یوسفی نے اس خوبصورت انداز میں خراجِ عقیدت پیش کیا تھا کہ

"بچھو کا کاٹا روتا ہے اور سانپ کا کاٹا سوتا ہے لیکن انشا جی کا کاٹا سوتے میں مسکراتا بھی ہے۔"

یہ ناقابلِ تقلید اسلوب و آہنگ اُن کے خطوط میں جس طرح جلوہ گر ہے، اس کی ایک دو

مثالیں ملاحظہ ہوں:

انتظار حسین کو:

(۱) "بھائی جی، آج تمہارا کالم پڑھا، جی خوش ہوا۔ خدا تمہارے قلم کی عمر دراز کرے ——— زبان تو پہلے سے دراز ہے!"

(۲) "لیل و نہار کی حکومت بدلنے پر تمہارا کیا ردِ عمل ہے، صحیح صحیح بیان کرو ——— پانچ سو الفاظ سے زیادہ مت لکھنا!"

(۳) "تمہارے تین منی کے کالم نے بہت مزا دیا، خود پڑھا، دوسروں کو پڑھایا۔ چار شیشیاں اور بھیج دیجئے!"

اور بیگم سرفراز اقبال کو اُن کی بیٹی کی امتحان میں نمایاں کامیابی پہ تہنیت کا خط ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

"عزالہ کو گولڈ میڈل ملنے کی خوشی ہوئی، میری طرف سے مبارکباد، گویا بچی ذہین ہے ——— ماں پہ نہیں گئی!"

اور مبارکباد کے خط کا جواب نہیں ملا تو استفسار:

"ہم نے مینا کی کامیابی کی مبارک باد دی تھی، تم بھی پی گئیں، مینا بھی، بھئی تم لوگ فیض نہیں ہوا اور مبارک باد شراب نہیں تھی ——— پھر کیوں پی گئیں؟"

انشا جی کا بے مزا استفہامیہ انداز بھی کئی موقعوں پر بہت لطف دے جاتا ہے۔ اے حمید کے نام ایک خط میں پوچھتے ہیں:

"تم نے شراب چھوڑ دی؟ کس سے پوچھ کے چھوڑی؟ ——— ہمیشہ غیر ذمہ دارانہ حرکتیں کرتے ہو، عواقب پر نظر نہیں رکھتے۔"

احمد ندیم قاسمی سے: Results

"آپ نے دفتر ایک غلط گلی میں بنا لیا ہے، اُس گلی میں کیوں نہیں بنایا جس میں میں ڈھونڈتا رہا، بھلا یہ بھی کوئی بات ہے؟"

اور ممتاز مفتی سے بھی انہیں کچھ اسی طرح کی شکایت ہے:

"آپ نے کس سے پوچھ کے مکان بدلا؟ اسے ہم کیسے ڈھونڈیں گے۔ پہلے مکان کا راستہ بڑی مشکل سے اور ٹیکسیوں پہ زرِ کثیر صرف کر کے معلوم کیا تھا۔"

بات بڑھانے کا فن انشاجی سے خاص ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اُن کے اکثر خطوط بہت طویل لیکن بے حد دلچسپ ہیں، کئی جگہ تو اُن کی گفتگو میں انہماک اور فراوانی کی یہ کیفیت ہے کہ لگتا ہے، وہ بات کو ختم کرنا چاہتے ہیں لیکن بات سے بات نکلتے داستاں کہیں کی کہیں پہنچ جاتی ہے۔ مجلّہ "قند" کے اجرا پہ تاج سعید کو ایک طویل خط میں لکھتے ہیں،

"آج صبح آپ کا "قند" میز پر پڑا پایا، قند سے ہمیں بہت دل چسپی ہے۔ کیونکہ شکر لبوں کی کچھ خصوصیات اس میں پائی جاتی ہیں، اس خوبی کے پیشِ نظر اسے "گلقند" کا نام دینا چاہیے۔"

"مجھے معلوم نہیں کھیوڑے کی کانوں میں کوئی ادیب ہے یا نہیں، ورنہ اس جانِ ملامت سے کہتے کہ بھائی تم قند کے مقابلے میں نمک نکالو۔"

"آپ نے پرچہ بہت عمدہ آرٹ پیپر پر چھاپا ہے۔ یہ اچھا کیا لیکن آپ اور اچھا کرتے اگر اسے قند کے ورقوں پر چھاپتے۔ تاکہ اسے پڑھنے کے بعد فائل بنانے کی بجائے یہ کہتے کہ ایڈیٹوریل پھاڑا اور چائے میں ڈال لیا۔ شیرینی ذرا کم رہی تو برادرم فارغ بخاری کی غزل بھی ڈال لی اور ادبی مسائل والے مضامین سے تو گھر بھر کا ناشتہ ہو سکتا ہے۔"

قدرت اللہ شہاب اُن کے بے حد قابلِ احترام محسن بلکہ مُرشد تھے اور اتنی باوقار رکھ رکھاؤ کی حامل مُرتب شخصیت کہ کسی کو اپنی ذات کے اُفق پر سے جھانکنے کی بھی اجازت نہ دے لیکن ابنِ انشا، نہایت بے تکلفی سے علمِ نجوم کی جن تفصیلات میں جا رہے ہیں، انہیں تو خیر آپ اُن کے نام طویل مکتوب میں دیکھیے یہاں صرف اقتباس اس مثال کے طور پر پیش کیا

جا رہا ہے کہ باتیں بنانے کا فن کوئی انشاؔ جی سے سیکھے:

"ایک بات البتہ سچ ہے کہ آپ کا بُرج حوت ہے، عربوں نے علمِ نجوم ہندوؤں سے سیکھا، خدا جانے ہندی میں کیا لفظ ہوگا جس کی یہ خرابی ہے کیونکہ عربی میں حرف ــــ تو ہوتا نہیں، ایک اور سکول داناؤں کا کہنا ہے کہ لفظ بُرج نہیں کچھ اور ہے عجمی لوگ فائے فاحشہ کی جگہ ب بولتے ہیں۔ واللہ علم بل الصواب ہمیں تو اس علم کی ابجد بھی نہیں آتی، اتنی البتہ آنکھوں دیکھی بات ہے کہ جہاں آپ کے ستارے کو برجِ حوت (یا جو کچھ بھی یہ اصل میں ہے) نظر آیا، یہ بھاگا ــــ"

"میں تو ستاروں کی ایک قسم میں یقین رکھتا ہوں اور وہ ہے فلمی ستارے۔ ان ستاروں میں آپ کا ستارہ ہونہ ہو نیلو ہے، کم از کم پہلے یہی تھا، اب ممکن ہے۔ آپ کسی اور بُرج میں چلے گئے ہوں۔ اگر حوت کے معنی مچھلی بھی فرض کر لیں تو مچھلی کی شکل بجائے خود ایک سبل ہے۔ آخر گندم کے دانے کا مطلب گندم کا دانہ تھوڑی تھا ــــ!" وغیرہ

ممتاز مفتی کا ذکر آئے تو انشاء جی کی حسِ مزاح بیدار تر ہو جاتی ہے، قدرت اللہ شہاب کے نام اسی خط میں مفتی صاحب کے لئے ارشاد ہوتا ہے:

"عزیزم مفتی کا مضمون پڑھا، یہ شخص ناول نگاری کا عبادت بریلوی ہے جو بات ہم ایک شعر میں کہتے ہیں اُس کے کہ یہ اپنی جتنا بڑا ناول لکھ کر پڑھنے والوں کو زیرِ بار کرتا ہے"

"آپ اس مردِ دانشمند سے وہی کام لیجئے جو میں لیتا تھا اور لقمان اپنے ہمعصروں سے لیتا تھا، وہ یہ کہ ہر معاملے میں اس کا مشورہ لیجئے اور اس مشورے کے برعکس عمل کیجئے۔ انشاء اللہ کبھی آپ صراطِ مستقیم سے اِدھر اُدھر نہ ہوں گے"

لیکن جب ممتاز مفتی کو خط لکھتے ہیں تو دوستوں کے لئے اُن کی فکرمندی اُن کے مزاجیہ اسلوب

باوجود چھپی نہیں رہتی، دیکھئے احمد بشیر کے لئے کس درجہ پریشان ہیں:

"احمد بشیر کا حال سخت خراب ہے، اُس کی تنخواہ بند ہے اور وہ چیز بھی جو تنخواہ کے ساتھ بند ہو جایا کرتی ہے۔ اب بتاؤ اُس کا کیا بنے؟ قرض بہت لے چکا اب کوئی قرض دینے والا نہیں، کیا بیوروں میں گنجائش ہو سکتی ہے؟ یہ مصیبت کا وقت ہے اور اُس کی امیدیں تم پر مرکوز ہیں۔"

جعفر طاہر کی سفارش:

"شہاب صاحب اب کے کراچی آئے تو میں نے عرض کیا کہ جناب اور تو آپ کے اقبال کا سایہ سب پر ہے، لیکن جعفر طاہر ہمارا ایک دوست ہے اور نابغۂ روزگار ہے، اُس کا کچھ نہیں ہوا، کہنے لگے کوئی ٹھوس صورت بتاؤ، پھر یہ طے ہوا کہ میں آپ کو چٹھی لکھوں کہ طاہر سے مشورہ کرنے کے بعد راہِ عمل طے کریں؛ سو جناب اب یہ بارِ ذمہ داری آپ کے سر اور آپ کا اسے بجالانا عین اقتضائے دوستی اور جوانمردی اور وغیرہ وغیرہ۔"

ایسی اور بہت سی مثالیں اُن کے خطوط میں جا بجا موجود ہیں، لیکن اقتباسات پہلے ہی بہت طویل ہو گئے ہیں، میرا ارادہ روایتی انداز میں ابنِ انشا کے خطوط کی خصوصیات گنوانا نہیں تھا، نہ میں یہ چاہتا تھا کہ خط نگاری کی تاریخ بیان کر کے اس میں ابنِ انشا کے مقام و مرتبے کا تعین کرنے کی کوشش کروں — صرف چند نمایاں پہلوؤں کی طرف اشارہ مقصود تھا اور وہ بھی اس انداز میں نہیں کہ میں اُن کے فنی محاسن گنواؤں، کیونکہ فی الحال چند خطوط ہمارے سامنے ہیں اور ان خطوط کی دل کشی کا واحد سبب ان کی شگفتگی اور لطافت ہے، کیونکہ یہ بے تکلف احباب کو لکھے گئے ہیں، اُن لوگوں کو جن میں سے زیادہ تر انشا جی کے دل سے بہت قریب تھے — اور یہ کمال انشا جی کے لہجے اور اندازِ طبیعت کا ہے کہ ان خطوں میں اُن کی شخصیت کا یہ پہلو اپنے پورے رچاؤ کے ساتھ موجود ہے۔

کیونکہ وہ ان احباب سے کوئی کاروبار نہیں کر رہے تھے، اسی لئے یہ خطوط حد سے زیادہ شخصی اور ذاتی ہونے کے باوجود اردو مکتوب نویسی کی درخشاں روایت میں ایک اہم اور منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔

اور اب ذکر اُن کی موت کا کہ ع

ہے الم کا پارہ بھی جزوِ کتابِ زندگی

انشاجی سرطان جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوئے، جس کا آغاز گلے میں کچھ معمولی گلٹیوں سے ہوا اور جس نے بالآخر اس طنز و مزاح کے پھول بکھیرتے، ہنستے مسکراتے طوطی ہزار داستاں کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ ع

خبر نہیں کہ اُسے کھا گئی نظر کس کی!!

لیکن ابنِ انشا، جنہوں نے ہمیشہ لوگوں میں مسکراہٹیں لٹائی تھیں، جب اس جان لیوا مرض میں گرفتار ہوئے تو باوجود اس کے کہ انہیں اپنا مقدر معلوم ہو چکا تھا، انہوں نے ضبط اور حوصلے کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، انہیں پورے یقین کے ساتھ علم ہو گیا تھا کہ اب اُن کے دن گنے جا چکے۔ مثلاً ٹوکیو (جاپان) میں جب اُن کا مکمل طبی معائنہ ہوا تو اپنی بیماری کی ہر تفصیل انہیں معلوم ہو گئی تھی اور انہی دنوں انہوں نے اپنی وہ مشہور زبان زدِ عام نظم لکھی:

اب عمر کی نقدی ختم ہوئی

جس کی ہر سطر اُن کے خون میں ڈوبی ہوئی ہے، لیکن ہمارا دُکھی شاعر جب نثر لکھنے کی طرف مائل ہوتا ہے تو اپنا دُکھ چھپانے کا فن جانتا ہے، شاید اس لئے کہ جن لوگوں کو اُس نے زندگی بھر محض ہنسایا ہے — اب وہ اُن کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ بسترِ مرگ پر بھی وہ لطیفے سُنانے اور چٹکلے چھوڑنے کی کوشش میں پوری طرح کامیاب ہے!

اس زمانے میں اُس نے اپنے گھر والوں کو تسلی بھرے خط لکھے لیکن دوستوں سے چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری رہا، اُن دنوں جب اُسے اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا کہ اب زندگی کا چراغ کسی بھی لمحے گُل ہونے کو ہے بلکہ ایک لحاظ سے یہ دیا بُجھ چکا تھا لیکن زندگی اور زندہ دلی پر اُس کی گرفت کا یہ عالم ہے کہ احباب اور قریبی دوست جن کے علم میں اُس کی بیماری کی ساری تفصیل تھی ـــــ اُس کی یہ مسکراہٹ دیکھ کر محض لرز کر رہ گئے تھے کہ اپنی جان لیوا بیماری کو وہ کس ثابت قدمی اور عظیم صبر کے ساتھ موضوعِ گفتگو بناتا تھا ـــــ زندگی جیسی نعمت اُس کے ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے، اُسے بچنے کی کوئی امید نہیں، لیکن لہجے کا بانکپن ملاحظہ ہو:

اے حمید کے نام ایک خط سے:

"عزیزِ بے تمیز، برخوردار خباثت آثار جیتے رہو، تم نے بڑی سعادت مندی کی کہ ہماری علالت پر فکر مندی کا اظہار کیا، کیونکہ اس میں کچھ نہیں لگتا پتے سے کچھ نہیں جاتا اب تمہارے لکھنے کے بعد مجھے اپنی صحت کی فکر پڑ گئی ہے، تمہارا خط آنے سے پہلے مجھے اپنی علالت کا احساس بلکہ پتہ بھی نہ تھا، صحتِ کاملہ کے لئے اپنی دعا براہِ راست اللہ میاں کو بھیجو، مجھے کوئی ڈاک خانہ سمجھ رکھا ہے؟"

اور اسی خط میں مرض کی وضاحت ذرا مریض کی زبانی سُنیئے:

"ہاں میرے گلے میں تکلیف ہے، وہ محلے والوں کی وجہ سے ہے، میں رات کو بھیرویں اور میاں کی ٹوڈی کا ریاض کرنا چاہتا ہوں، یہ لوگ موسیقی کا ذوق کم رکھتے ہیں اور اُن کے اعتراض یا منع کرنے کے انداز بھی شائستہ نہیں پس اپنے شوقِ موسیقی کو مسلسل ضبط کرنے کی وجہ سے میرے گلے کی رگیں اس طرح پھُول جاتی ہیں جیسے کسی افسانہ نگار یا شاعر کی تخلیق آپ نہ

سُنیں تو اُسے اچھا رہ ہو جاتا ہے۔ میں بعض لوگوں سے عذر بھی کرتا ہوں کہ میں عزا آرے کر رہا تھا لیکن جو لوگ کن رسیا نہیں، اُن کو پکّے گانوں کے رموز و اوقاف اور نمک کے عزاروں کے درمیان فرق کیا معلوم ——؟"

اور آپریشن کے لئے لندن روانہ ہوئے تو یوں نارمل طور پر جیسے موت کے سفر پر نہیں اپنے بہت سے دوسرے سفروں کی طرح ہی جا رہے ہیں، ہنستے ہنساتے، چٹکلے چھوڑتے:

"اب میں باہر جانے والا ہوں، کیونکہ اس ملک کی آب و ہوا مجھے راس نہیں آتی، پتہ نہیں تم دیسی لوگ کیسے یہاں رہ لیتے ہو!"

(مکتوب بنام اے حمید)

اور اسی خط میں آرام کی بھی سُن لیجئے:

"قصہ اصل میں یہ ہے کہ مجھے آرام کی ضرورت ہے، روزانہ مسلسل کئی کئی گھنٹے کام نہ کرنے کی وجہ سے تھکن ہو ہی جاتی ہے، بعض اوقات تو مہینوں بے کاری میں مصروف رہنے کی وجہ سے سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔"

اپنی شاعری میں یہ کیسی بیکل اور نثر میں کسی شانت روح تھی، غالب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُس کا دیوان پڑھ کر قاری مرعوب ہو کر رہ جاتا ہے لیکن اُس کے خط پڑھتے ہیں تو اُس سے محبت ہو جاتی ہے، انشاجی کا بھی کچھ ایسا ہی احوال ہے، اُن کے شعری مجموعوں میں ایک مصرعہ غیر سنجیدہ نہیں، ایک جوگ بجوگ کی دنیا، عجیب ہی دھوپ چھاؤں کا عالم، ویرانیٔ دل کی حکایتیں اور شکایتیں سہ

سیدھی من کو آن دبوچیں۔ میٹھی باتیں، سُندر بول

میر نظیر کبیر اور انشا، سارا ایک گھرانا۔ ہُو

لیکن نثر لکھتے ہیں تو آخری دم تک قلم شگفتہ فقروں کی کلیاں برساتا چلا جاتا ہے، اُس وقت بھی جب وہ موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے۔ بیگم سرفراز اقبال کو آخری

رانے کے خطوں میں سے ایک میں لکھتے ہیں:

"یکم اپریل کو ہم نے آپریشن نہیں کرایا، تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ بے وقوف ہے۔ اپریل فول ہے، اب ۱۹ اپریل کو آپریشن ہوگا۔"

ہر کہ مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

لیکن غیر عزیز کا آخری سانس لیتے ہوئے جو شخص تبسم آفریں بھی ہو، اُسے آپ کیا مقام دیں گے، اب یاد نہیں کس انگریز مصنف نے اپنے کسی عزیز کی وفات پر کہا تھا:

"Death be not proud"

احمد ندیم قاسمی کے نام بسترِ مرگ سے تحریر اپنے آخری خط میں ابنِ انشا نے لکھا:

"میں نے سارے معاملے کو ہنسی میں لیا ہے، ہنسی میں نہ لوں تو کیا کروں؟ سچ یہ ہے کہ سارے علاج وقتی ہیں، اس مرض کا شافی علاج ابھی کوئی نہیں اس میں جو دوائیں دی جاتی ہیں وہ خود کینسر آفریں ہیں، لیکن اتنا عرض کر دوں کہ پریشان میں نہیں ہوں، اوّل تو مرض کی تکلیف نہیں ہے، دوسرے یہ اطمینان کہ بہت کچھ کر لیا۔"

اور اسی خط کے ساتھ منسلک مضمون "بیمار کا حال اچھا ہے!" کے آخری فقرے:

"ہم نے اپنی زندگی کے نفع نقصان کا گوشوارہ بنایا تو دیکھا کسی طرح گھاٹے میں نہیں رہے، ہمیشہ اپنے حق سے زیادہ پایا، لہٰذا حتی الوسع افسوس اور ندامت سے دامن بچایا، تاہم بندہ بشر ہے، آپریشن تھیٹر میں جانے سے پہلے ہم نے ایک زبردست تحریر دنیا اور دنیا والوں کے لئے لفافے میں بند کر کے رکھ چھوڑی تھی، جس میں اپنا نظریۂ زندگی بیان کرتے ہوئے لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی تلقین کی تھی، جس پر چند ناگزیر وجوہ سے ہم خود نہ چل سکے تھے۔ افسوس کہ فصاحت و بلاغت کا وہ شہکار فی الحال منظرِ عام پر نہ آسکے گا۔"

پاکستان سے ہمارے دوست مصلح الدین ٹیلی ویژن والے لندن آئے تھے انہوں نے بصرفِ زرِ کثیر انگریز کیمرہ مین ہمارے گھر پر لاکر ہمارا انٹرویو کیا۔ ہر زاویے سے ہماری تصویریں کھینچیں، یوسف کامران نے کہ وہ بھی ساتھ تھے بڑے بلیغ سوال و جواب ہم سے کئے، بہت سی نظمیں ریکارڈ کیں ——— ہمیں معلوم تھا کس خوش خیالی میں ایسا کر رہے ہیں، جی ہی جی میں منستے رہے، اُن کا دل کیا توڑتے، ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے قومی ادارے پاکستان ٹیلی ویژن کے یہ پیسے ضائع جائیں گے بلکہ اس انٹرویو کو دکھائے جانے کی حسبِ دل خواہ تقریب جلد نہ نکلی تو شاید اُن سے بازپرس بھی ہو، ان کی انکوائری بھی ہو جائے ——— لیکن اس میں ہمارا کیا قصور ہے ——— یا ہے؟"

اور قارئین محترم ——— باتیں ہوں انشاء جی کی اور اُن کا ذکر کچھ زیادہ ہی طویل ہو جائے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے ——— یا ہے؟

ریاض احمد ریاض

گورنمنٹ کالج۔ فیصل آباد
۱۰۔ اگست ۱۹۸۴ء